Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

Social Aspects of Qurat-ul-Ain Haider's *Akhire Shab Kay Humsafar*

آخر شب کے ہمسفر از قرۃ العین حیدر کے سماجی پہلو

Dr Zonera Batool[1], Dr Perveen Akhtar Kallu[2]
[1]EST, Govt. Comprehensive Girls Higher Secondary School, Madina Town, Faisalabad,
[2]Associate Professor, Department of Urdu, GC University, Faisalabad
Corresponding Email: drparveenkallu@gmail.com

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in **Y** category.

Received: 29-06-2025
Accepted: 25-07-2025
Online: 28-08-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract

Qurratulain Hyder's novel *Aakhir-e-Shab ke Hamsafar* unfolds against the backdrop of Bengal's revolutionary movement of 1942, the Partition of India, and the emergence of Bangladesh. Set primarily in Dhaka, the narrative explores the disintegration of four ancestral mansions as a metaphor for the subcontinent's layered fragmentation. Through the central character Deepali Sarkar—an impassioned revolutionary—the novel delves into themes of nostalgia, displacement, and ideological conflict. Deepali's emotional journey, marked by memories of her martyred uncle and her complex relationship with Rehanuddin, reflects the personal cost of political upheaval. Other characters, such as Rosie, Uma Rai, and Charles Barlow, embody varied dimensions of historical and personal nostalgia, each haunted by memories of lost homes, fractured relationships, and unfulfilled desires. Hyder's portrayal of feminine psychology is particularly nuanced, revealing the inner turmoil of women navigating socio-political transitions. The novel's interweaving of personal memory with collective history evokes a melancholic resonance, where longing for the past becomes a form of resistance. Ultimately, *Aakhir-e-Shab ke Hamsafar* stands as a poignant literary meditation on identity, exile, and the enduring ache of remembrance—echoing the trauma of Partition and the fragile hope of reconciliation.

Keywords:
Qurratulain Hyder, Novel, *Aakhir-e-Shab ke Hamsafar,* Partition of India

قرۃ العین حیدر ایک ہندوستانی اور پاکستانی اردو ناول نگار اور مختصر کہانی نویس، ایک ماہر تعلیم اور صحافی تھیں۔ وہ اپنے دوستوں اور مداحوں میں "عینی آپا" کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ ایک مصنف کی بیٹی تھیں اور اردو کے مختصر افسانہ نگار سجاد حیدر یلدرم کی علم بردار تھیں۔

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

ان کا ادبی پس منظر ہے۔اس نے چھ سال کی عمر میں لکھنا بھی شروع کیا۔ تقسیم کے بعد وہ پاکستان آ گئیں لیکن 1960 میں واپس ہندوستان چلی گئیں۔ان کا پہلا ناول ''میری بھی صنم خانے'' 1949 میں شائع ہوا تھا۔ ہمیں ان کی کہانیوں میں پرانی یادیں اور ماضی کی یادیں ملتی ہیں کیونکہ انہوں نے ذاتی طور پر اس کا تجربہ بھی کیا اور اس سارے دور کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔انہیں گیان پیٹھ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔، ساہتیہ اکادمی ایوارڈ اور پدم بھوشن ایوارڈ۔

قرۃالعین حیدر کا ناول ''آخر شب کے ہم سفر'' بنگال کی دہشت پسند اور انقلابی تحریک ۱۹۴۲ء کا اندولن، مطالعہ پاکستان، تقسیم ہند اور بنگلہ دیش کے تناظر میں لکھا گیا ہے ناول کے حوالے سے ڈاکٹر محمد نسیم لکھتے ہیں:

> ''آخر شب کے ہمسفر کے قصے کا مرکز و محور ڈھاکہ ہے اور ڈھاکہ کی ہی چار مختلف حویلیوں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کے حوالے سے برصغیر کی تقسیم در تقسیم المیہ کی پیش کش ہوئی ہے۔''(۱۹)

ناول میں ڈھاکہ کے چار مختلف مکانوں میں رہنے والے گھرانوں کے افراد کے آپس کے تعلقات کو تاریخی پس منظر کے ساتھ موضوع بنایا گیا ہے ناول کا مرکزی کردار دیپالی سرکار ہے جو چندر کنج میں رہتی ہے اور زمانہ طالب علمی سے ہی دہشت پسندوں اور انقلابیوں کے ساتھ کام کرتی ہے۔دیپالی سرکار کا چچا انقلابیوں کے ساتھ ایک سرگرم رکن تھا مگر اُسے سزا موت سُنادی گئی دیپالی جب اومارائے سے ملاقات کے لیے جاتی ہے تو اس واقعہ کو یاد کر کے ناسٹلجیائی کیفیت کا شکار ہو جاتی ہے:

> ''خواب اچھی طرح یاد ہیں چھ سال پہلے ہی کی تو بات ہے دیپالی کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کمرے کا کلاک ٹک ٹک کرتا رہا چند لمحوں بعد دیپالی نے کہا اومادی بعض دفعہ منہ اندھیرے میری آنکھ کھل جاتی ہے جب ابھی پوری طرح اجالا نہیں پھیلتا۔۔۔اور میں خوب روتی ہوں اور سوچتی ہوں کاکا اور ان کے ہزاروں ساتھیوں کا خون رائیگاں نہ ہونے دوں گی۔''(۲۰)

ناول کا ایک اور کردار روزی کا ہے وہ بھی انقلابیوں کے ساتھ شامل ہے اور اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کے ساتھ خود سر بھی تھی اس کی ماں ہندو تھی مگر حالات کی وجہ سے پادری بزجی نے انھیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا جب روزی رشتے سے انکار کرتی ہے تو اس وقت روزی کمرے میں دیکھ کر انھیں روزی کی ماں ایستھر بالا کی یاد آتی ہے تو ماضی کے گزرے ہوئے لمحے کو یاد کر کے ناسٹلجیائی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں:

> ''روزی کندھوں پر بال بکھرائے سفید ساری پہنے تصویر کی مانند سامنے چپ کھڑی تھی اچانک ان کی آنکھوں کے سامنے ایک اور تصویر آگئی بالکل اسی طرح انھوں نے پہلی بار نوجوان ایستھر گری بالا کو دیکھا تھا جو کندھوں پر لمبے لمبے بال بکھرائے سفید ساری پہنے رائٹ ریورنڈ والفرڈ براؤن کی کوٹھی کے برآمدے میں خاموش کھڑی تھی۔''(۲۱)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

روزی، دیپالی اور اومائے سبھی ایک تحریک کے ساتھ منسلک تھے اور ریحان الدین ان کا لیڈر تھا جو مختلف سوانگ بھر کے دیپالی سے مل چکا تھا ریحان اور دیپالی سندر بن میں اکٹھا وقت گزارتے ہیں اور ریحان دیپالی سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ دیپالی جب ارجمند منزل جاتی ہے تو نواب قمر الزماں جو تحریک پاکستان اور تقسیم بنگال کے حامی تھے جب کہ ریحان برصغیر کی آزادی کا حامی تھا جب دونوں میں بحث و مباحثہ ہوتا ہے اُسے بار بار ریحان کی کہی ہوتی باتیں یاد آتی ہیں۔ اور وہ شخصی ناسٹلجیا کا شکار ہو جاتی ہے:

> ''اور ریحان نے بتایا تھا کہ ایک مرتضی شاہی فقیروں کا سلسلہ تھا جن کے گروہ سیّد مرتضی آنند نے یوگ قلندر اور وشنو بھجنوں کی ایک کتاب لکھی تھی ایک شادی شدہ برہمن زادی ان پر عاشق ہو کر ان کی چیلی بن گئی تھی۔۔۔ جس طرح اس خاکسار کو باؤل فقیر سید ریحان دیپالی کہا جائے گا دریچے میں کھڑے کھڑے دیپالی کو یہ بات یاد کر کے ہنسی آگئی۔''(۲۲)

قرۃ العین حیدر کا چونکہ ذاتی تجربہ ذاتی تجربہ ہجرت تھا وطن سے دوری، یاد ماضی اور واپسی کی خواہش ان کی تحریروں میں نظر آتی ہے جس طرح ہمیں انتظار حسین کے ناولوں میں ماضی کی بازگشت سُنائی دیتی ہے اسی طرح سے قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں بھی ماضی کی صدا بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر روبینہ الماس رقم طراز ہیں:

> ''''آخر شب کے ہمسفر''قرۃ العین حیدر کا چوتھا ناول اور ماضی کی صدائے بازگشت ہے ابھی تک قرۃ العین حیدر ماضی کے کسی واقعے سے شروع کر کے تقسیم ہند کے المیے (jrony) سے گزر کر اس کے بعد کے مضمحل حالات پر ناول کا اختتام کرتی آئی ہیں یہ ناول بھی تقسیم سے پہلے کے حالات تحریک آزادی اور باتیں بازو کی آزادی۔۔۔ اور تقسیم کے وقت کی نسل کی مضمحل روحوں کے المیے پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔''(۲۳)

دیپالی جو کہ انقلابی تحریک کا حصہ تھی ناول کا آغاز انھی کے گھر سے ہوتا ہے وہ اپنے ہی گھر میں سیندھ لگاتی ہے اور اپنی بے حد قیمتی اور خاندانی نشانیاں تین بالوچر ساریاں چراتی ہے یہ ۳۹ء کا زمانہ ہے اور یہ لوگ انقلاب لانا چاہتے ہیں اور وہیں سے دیپالی اور ریحان کی ملاقات ہوتی ہے دیپالی کے دل میں بھی ریحان کے لیے محبت ہے مگر جب وہ جہاں آرا کے کمرے میں ریحان الدین احمد عرف رونو کی تصویر دیکھتی ہے اور ایک محبت نامہ جو اس نے جہاں آرا کے نام لکھا ہوتا ہے تو وہ حواس باختہ ہو جاتی ہے جہاں آرا ریحان کے ماموں نواب قمر الزماں کی بیٹی اور رونو کے بچپن کی منگیتر تھی مگر دونوں کا رشتہ ختم ہو چکا تھا لیکن جہاں آرا اب تک ریحان کی محبت میں گرفتار تھی اور اس کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھی اور دن میں کئی مرتبہ اس سوئنگ باکس کو کھول کر ریحان کی تصویر کو دیکھتی ہے اور ریحان کی یادیں اس کی ناسٹلجیائی کیفیت کو اُبھارتی ہیں:

> ''اتنی مدتوں بعد بھی، اسے یقین ہے کہ اگر اس پر اس کی نظر پڑ گئی تو اس کے دل کی حرکت بند جائے گی۔''(۲۴)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

ناول ''آخر شب کے ہمسفر'' میں مصنفہ نے مختلف کرداروں خصوصا نسوانی کرداروں کی نفسیات کا بڑی عمدگی سے احاطہ کیا ہے، دیپالی، جہاں آرا، روزی، اومارائے اور یاسمین جو کہ اپنی اپنی زندگی کے دائرے میں داخلی اور خارجی تضادات کا شکار ہیں لیکن دیپالی کا کردار سب سے متحرک ہے وہ جب ریحان اور نور جہاں کے ماضی کے متعلق جانتی ہے تو خاموشی سے ریحان کی زندگی سے نکل جاتی ہے۔ایک طرف جہاں آراء ریحان کی محبت کی آس میں تھی اور اس کی واپسی کے لیے پُر امید تھی تو دوسری طرف دیپالی جہاں آرا اور ریحان کے رشتے سے متعلق بے خبر تھی مگر اس تصویر والے واقعہ کے بعد وہ کرب اور دُکھ کی کیفیت میں مبتلا تھی ریحان کے ساتھ سندر بن میں گزرے ہوئے لمحات کو یاد کر کے وہ بار بار ماضی گزیدگی کا شکار ہو جاتی ہے اور مٹی کا ہاتھی جو ریحان نے اُسے تحفے میں دیا تھا اُسے دیکھ کر وہ مزید ناسٹلجیائی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے:

> ''ایک ایک بات بڑی تفصیل سے یاد ہے ایک ایک بات اس رات وہ اور ریحان ٹہلتے ہوئے ایک بستی کی طرف گئے تھے تو وہاں کمہار کی دوکان پر مٹی کے کھلونوں کی قطار میں سجا یہ ہاتھی کتنا کیوٹ لگا تھا ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی تو ریحان نے خرید کر اسے دیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا جب تم بہت دکھی ہو اسے الہ دین کے چراغ کی طرح گھسنا میں فوراً آجاؤں گا سنبھال کر رکھنا اسے تبرک کی طرح۔''(۲۵)

ناول کا ایک اور بدیسی کردار چارلس بارلو کا بھی ہے جس کے آباو آجداد ہندوستان میں اپنے فرائض سر انجام دے رہے تھے چارلس بارلو بھی ریحان کو گرفتار کرنا چاہتا ہے مگر ناکام رہتا ہے وطن سے دور چارلس بارلو بھی ماضی پرستی کا شکار ہے نہتائی کے لمحات میں ماضی کے گزرے ہوئے تمام لمحات اور یادیں اس کے گرد اپنا گھیراؤ کرتی ہیں جہاں وطن سے دوری اور اپنوں سے دوری کا احساس زمینی اور شخصی ناسٹلجیا کی وجہ بنتا ہے جب وہ اپنے ارد گرد اپنوں کی تصویریں اور یادگاریں دیکھتا ہے یہ تمام چیزیں اس کی ناسٹلجیائی کیفیت کو اُبھارتی ہیں:

> ''اب چارلس بار کا سر بھاری سا ہو رہا تھا وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا تنہائی میں مجھ پر ماضی کے دورے زیادہ پڑنے لگتے ہیں اور یہ اچھی بات نہیں۔''(۲۶)

چارلس بارلو بار بار اپنے ماضی کو یاد کرتا کمرے میں موجود ہر چیز اُسے گزشتہ ماضی کی یاد دلاتی ہیں چارلس بارلو اپنے خاندان اور بیوی بچوں کو یاد کرتا ہے اور جب وہ خاندانی تصاویر کو دیکھتا ہے تو ماضی کی یادیں در آتی ہیں۔اس کی ناسٹلجیائی کیفیت کا اظہار اس اقتباس سے ہوتا ہے:

> ''اب میں پھر ماضی کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔چارلس بارلو نے لمبا سانس بھر کر ''نغمات ہند'' دوبارہ اٹھالی کتاب کے پیلے ورقوں میں سے جو پرانی مہک آرہی تھی وہ اسے بہت اطمنیان بخش معلوم ہوتی ہے ماضی محفوظ ہے۔''(۲۷)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

چارلس بارلو اپنی ماں کو یاد کرتا ہے وہ ایک مصورہ تھیں چارلس بارلو جب کمرے میں موجود اپنی ماں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی تصاویر اور ان کی تمام یادگاروں کو دیکھتا ہے تو اپنی ماں کو یاد کرتے ہوئے وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ یادوں کے قبرستان میں کھڑا ہے:

"اس نے کمرے میں نظریں دوڑائیں پرانی کتابیں اور پرانی تصویریں، یادوں کا قبرستان۔"(۲۸)

چارلس نہ صرف دوری وطن اور تنہائی کا شکار تھا بلکہ وہ سوچتا ہے کہ ماضی ہمیشہ ہمارا پیچھا کرتا ہے شملہ جو برطانوی دیوتاؤں کا مسکن تھا وہاں کے حسین مناظر اور پیارا ہندوستان اور یہ سچ ہے کہ برطانوی قوم بھی اس ملک کے سحر سے نہیں بچ سکتی۔ اپنے وطن واپس جانے کے بعد بھی انھیں اس سرزمین کی یادیں گھیرے رکھتی ہیں چارلس بارلو بھی اس زمینی ناسٹلجیا کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے:

"ہماری یہ مخصوص دنیا وطن واپس جا کر بھی جس کی یاد ہمیں ستاتی رہتی ہے یہ مخصوص زبان، جو ہم نیٹو کے ساتھ استعمال کرتے ہیں بندوبست، شاباش، سب برابر، کوب مالوم ہائے کپردار یو سور شاندار بوٹ اچا بڑا کھانا، بڑا تماشا۔۔۔ مورے نے صحیح کہا تھا میں مغربی ہوں، مشرقی نہیں میں بہت زیادہ مشرقیت کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔"(۲۹)

چارلس بارلو یہاں اکیلا رہتا ہے جب کہ اس کے بیوی بچے انگلستان میں مقیم تھے وہ انھیں بار بار یاد کرتا ہے جب وہ اپنی بیوی کی تصویر کو دیکھتا ہے تو وہ اُسے بہت یاد کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ وفادار نہ تھی اور کئی مرتبہ اُس کے ساتھ بے وفائی کر چکی تھی مگر چارلس آج بھی اُس پر فدا اور اس کی محبت میں ناسٹلجیائی حد تک گرفتار تھا:

"ڈارلنگ۔ تم اس وقت نیم اس وقت نیم تاریک لندن کے کسی پب میں کسی فوجی کے ساتھ بیٹھے ہو گی۔ بیئر کا مگ تمھارے ہاتھ میں ہو گا مگر کس کی معیت میں؟"(۳۰)

چارلس بارلو ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے وطن اور اپنوں کی یاد کے عذاب کو سہہ رہا تھا مگر انگریز قوم کو حکمرانی کی لت پڑ چکی تھی اسے چھوڑنا ان کے لیے ناممکن تھا دوسری طرف جب نواب قمر الزماں کو پادری بزجی کی بیٹی روزی کی گرفتاری کا علم ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے بھانجے ریحان کو یاد کرتے ماضی پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں:

"میری آنکھوں کا تارا میری مرحومہ بہن کی نشانی میرا لاڈلا جس پر فخر کرتے کرتے میں پھولا نہ سماتا تھا جس کی میں نے زندگی بنادی اور اس نے میرے ساتھ۔ میری لڑ۔۔۔ میرے ساتھ کیا کیا؟۔۔۔ میں اور بنوئے ہم سب ایک ناؤ میں سوار ہیں رونو، روزی دیپالی یہ سب مل کر ہم کو اس چیز کی سزا دے رہے ہیں۔"(۳۱)

دراصل ریحان کی والدہ نواب قمر الزماں کی چچازاد تھیں اور وہ اُسے پسند کرتے تھے مگر ان کی شادی نہ ہو سکی ریحان کی والدہ جوانی میں ہی فوت ہو گئیں تھیں جب اومارائی اصرار کر کے ریحان کے ماضی کے متعلق سوال کرتی ہے تو اپنے ماضی اور والدہ کو یاد کرتے ہوئے

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

ریحان کی ناسٹلجیائی کیفیت اُبھر جاتی ہے:

> ''میری امی اتنی کم عمر تھیں وہ مجھ صرف سترہ برس پڑی تھیں اور میری بڑی بہن معلوم ہوتی تھیں اگر آج زندہ ہوتیں تو تم سے بھی زیادہ بڑی نہ لگتیں۔ بعض مرتبہ تم میں ان کی جھلک سی دکھائی پڑتی ہے خصوصاجب ڈانٹتی ہو تو بالکل امی جیسی لگتی ہو۔''(۳۲)

ناول کے سبھی کردار کہیں نہ کہیں ماضی اور اس کی یادوں سے جڑے ہوئے ہیں جہاں آرا اور اس کے والد دونوں کی ہی دلی کیفیت یکساں تھی کیونکہ دونوں کو اپنی محبت حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی تھی۔ دونوں ہی بے بس مجبور اور بے زبان تھے۔ جہاں آرا جب اپنے والد کو دیکھتی ہے تو ماضی کا کرب ان کے چہرے پر محسوس کرتی ہے اور ان کی ناسٹلجیائی کیفیت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے وہ خود بھی اُسی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے:

> ''بے چارے ابا یہ بات کسی کو معلوم نہیں صرف میں نے محسوس کی ہے اور امی کو یقیناً معلوم ہے کہ ابا ملیحہ پھوپھی کو کبھی نہ بھُلا سکے وہ مر گئیں تب بھی نہیں مر کے شاید وہ ابا کے دل میں زیادہ محفوظ ہیں جہاں پھوپھا جان کا کوئی دخل نہیں۔''(۳۳)

ایک عرصے کے بعد جب ریحان الدین احمد نواب قمر الزماں سے ملنے کے لیے گھر آتا ہے تو جہاں آرا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگتیں ہیں۔ وہ ماضی میں کھو جاتی ہے اور یاد کرتی ہے کہ وہ آج بھی نہیں بدلا اتنے برس بعد بھی وہ ویسے کا ویسا ہی ہے:

> ''وہ عین سامنے بیٹھا تھا بڑی میز کے اس طرف، بالکل نہیں بدلا تھا، وہی شکل، وہی آنکھیں، وہی بال وہی بات کرنے کا انداز۔''(۳۴)

جہاں جہاں آرا ریحان کو دیکھ کر بے چین و مضطرب ہو جاتی ہے وہیں پر ریحان جب جہاں آرا کو دیکھتا ہے تو بڑے پُر سکون لہجے میں اس سے بات کرتا ہے مگر جہاں آرا اُسی لمحے ماضی کے گزرے ہوئے لمحات کو یاد کرتی ہے جو آج بھی اس کے لیے اذیت کا باعث تھے:

> ''کوئی بھونچال نہیں آیا۔ زمین نہیں ہلی قیامت نہیں آئی وہ اس کے سامنے موجود ہے اس رات، چار سال قبل، وہ اسی جگہ سے اسے خدا حافظ کہہ کر، اسے روتا بلکتا چھوڑ کر گیا تھا اب اس کے سامنے موجود ہے اور اس سے بات کر رہا ہے۔''(۳۵)

جس طرح سے جہاں آرا اپنے والد قمر الزماں صاحب کے جذبات واحسات کو سمجھتی تھی اسی طرح نواب قمر الزماں صاحب بھی اپنی بیٹی کے جذبات واحساسات سے باخبر تھے وہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کی بیٹی کس قدر ریحان کو پسند کرتی ہے۔ وہ جب اپنی بیٹی کو دیکھتے ہیں تو کرب اور اذیت کے جذبات بیدار ہو جاتے اور وہ ماضی پرستی کا شکار ہو جاتے ہیں:

> ''انھوں نے کرب کے ساتھ جہاں آرا پر نظر ڈالی بے زبان ملیحہ چودھری کی بے زبان بھتیجی اسی کی طرح پتی ورتا ملیحہ کی شادی ایک غریب کسان، مولوی کے ساتھ کر دی گئی تھی۔۔۔کاش کاش میں نے ریحان سے تیرا بیاہ کر دیا ہوتا شاہد میں ملیحہ کی روح کے سامنے بھی سرخرو ہو سکتا۔''(۳۶)

ناول کا ایک اور اہم کردار یاسمین مجید کا بھی ہے وہ ایک اچھی ڈانسر تھی اس کا تعلق ایک نہایت ہی مذہبی گھرانے سے تھا وہ اپنے حالات اور مذہبی روایات سے بغاوت کر کے ایک انگریز سے شادی کر کے باہر چلی جاتی ہے مگر وہ اُسے چھوڑ دیتا ہے اور یاسمین در در کی ٹھوکریں کھا کھا کر مر جاتی ہے۔ یاسمین کی بیٹی اپنی ماں کی ڈائری دیپالی کو دیتی ہے۔ جس میں اس کی یادیں، حسرتیں اور پچھتاوئے محفوظ تھے۔ دیپالی جب یاسمین کی یاد میں منعقدہ جلسے میں شرکت کے لیے آتی ہے تو راستے میں ریڈیو پر چلنے والے گانے کو سن کر وہ ماضی کے دنوں کو یاد کرتی ہے:

> ''وہ بے اختیار خود بھی اس کے ساتھ گانے لگی اور پل کی پل میں کالج کے زمانے میں واپس پہنچ گئی۔ جب وہ اور ریحان اور روزی بزجی اور محمودالحق اور جیوتی سب مل کر جوش و خروش سے یہ گیت گاتے ہیں۔''(۳۷)

دیپالی جب ارجمند منزل جاتی ہے تو راج سنگھاسن کو دیکھ کر اُسے ماضی کی تمام باتیں یاد آتی ہیں جب یہاں ایک پُر رونق ماحول ہوتا تھا اور وہ شادی کے دنوں کی رونق اور یاسمین کی ہنسی اور اس کی باتیں یاد کر کے دیپالی ماضی کے جھرونکوں میں گم ہو جاتی ہے:

> ''تب یاسمین نے کہا تھا۔۔۔آئیڈیا! آپ کے چھوٹے دادا نے اوپر ابنایا تھا میں اُس کا بیلے بناوں گی اور پتہ ہے۔ اس راج سنگاسن کی اصل معنویت کیا پیش کروں گی؟ پھر اس نے بڑی ڈرامائی انداز میں کہا یہ سنگھاسن دراصل ہے عورت کا دل۔۔۔ اس تخت پر بیٹھنے کے لیے آئے تو ہم اسے للکار سکتے ہیں ٹھہرو۔ تمہارے اندر یہ۔۔۔ یہ اوصاف ہیں؟''(۳۸)

دیپالی کو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سب کے بھوت ایک ایک کر کے اس کے سامنے آگئے ہیں اس نے سوچا کہ جہاں آرا، یاسمین مجید اور دیپالی کی مورتیاں بُری طرح ٹوٹ چکیں ہیں دیپالی جب اپنی درس گاہ شانتی نکتیں جاتی ہے تو اسے یاسمین کی یاتیں یاد آتی ہیں جو اس کی ناسٹلجیائی کیفیت کو اُبھارتی ہیں:

> ''یاسمین ایک بار کہہ رہی تھی وہ ایک روز اپناٹروپ بنائے گی اور مولوی جیشم الدین کے ٹوکشی کا نتامارٹھ کا بیلے تخلیق کرے گی ''دیکھو ہم نے اس کتاب پر سروجنی دیپی سے دستخط لئے ہیں اسے سنبھال کر رکھنا دیپالی دیدی میں نے ارجمند منزل کے جلسہ گھر میں سروجنی کے پالکی بردار کا بیلے پیش کیا۔۔۔اب وہ تو دھنک کی طرح غائب چاند بجھ گیا چاندنی بجھ گئی۔''(۳۹)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 3 (2025)

قرۃ العین حیدر کا ناول "آخر شب ہمسفر" اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں ہندوستان کی جنگ آزادی میں شریک ہونے والی باغی نسل اور بنگلہ دیش کی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے ریحان الدین احمد، دیپالی سرکار، روزی اور اومارائے وغیرہ ۱۹۴۲ء کے اندولن میں انقلابی حریت پسندی کے راستے پر تھے مگر آزادی کے بعد ان کے نظریات بدل جاتے ہیں اور سب اپنی اپنی زندگیوں میں ماضی پرستی کا شکار نظر آتے ہیں ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> "ریحان الدین احمد کی سابق دہشت پسند کامریڈ دیپالی سرکار جواب اپنے بیرسٹر خاوند کے ساتھ پورٹ آف اسپین میں اعلیٰ طبقے کی زندگی بسر کر رہی ہیں اپنے ماضی کے ٹھکانوں اور نوجوانی کے زمانے کو یاد کر کے شانتی نکتین جاتی ہیں تو انھیں معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔"(۴۰)

دیپالی کی ملاقات جب اومارائے سے ہوتی ہے تو بالکل اپنی ماں کی کاپی بن چکی تھی اور ریحان الدین احمد کے متعلق شکوہ کرتی ہے کہ وہ اسے چھوڑ گیا ناول "آخر شب ہمسفر" کے سبھی کردار نہ صرف ماضی پرستی کا شکار ہیں بلکہ ماضی کے سامنے مجرم اور خود کو شرمندہ محسوس کرتے ہیں کیونکہ جس آدرش کی پاسبانی کرنے وہ نکلے تھے وہ تمام کے تمام اس کو بھول کر کسی اور راہ پر چل دیئے تھے۔ جہاں یاد ماضی صرف تلخی بن جاتی ہے۔

حوالہ جات

1. محمد نسیم، ڈاکٹر، برصغیر کی تقسیم در تقسیم اور قرۃ العین کا ناول آخر شب کے ہمسفر، مشمولہ: نیا دور، قرۃ العین نمبر، جلد ۱۲۳، (مدیر: وضاحت حسین رضوی، ڈاکٹر) اتر پردیش، نیل کمار ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات ورابطہ عامہ، فروری، مارچ، ۲۰۰۹ء ص: ۳۴
2. قرۃ العین حیدر، آخر شب کے ہمسفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۳
3. ایضاً، ص: ۷۸۔۷۷
4. ایضاً، ص: ۱۲۶
5. روبینہ الماس، ڈاکٹر، اردو ناول میں طبقاتی شعور، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۸ء ص: ۱۶۲
6. قرۃ العین حیدر، آخر شب کے ہمسفر، ص ۱۴۰
7. ایضاً، ص: ۱۴۵
8. ایضاً، ص: ۱۸۱
9. ایضاً، ص: ۱۸۴
10. ایضاً، ص: ۱۸۶۔۱۸۵

11. ایضاً،ص:۱۹۱
12. ایضاً،ص:۱۹۷
13. ایضاً،ص:۲۱۵
14. ایضاً،ص:۲۳۷
15. ایضاً،ص:۲۳۹
16. ایضاً،ص:۲۴۰
17. ایضاً،ص:۲۴۲
18. ایضاً،ص:۲۸۰
19. ایضاً،ص:۳۲۷
20. ایضاً،ص:۳۳۴
21. ایضاً،ص:۳۵۳
22. خالد اشرف،ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۹۵ء،ص:۱۷۶

References

1. Naseem, M. (2009). Barsagheer ki taqseem dar taqseem aur Qurratulain ka novel *Aakhri Shab ke Hamsafar*. In W. H. Rizvi (Ed.), *Naya Daur: Qurratulain Number* (Vol. 123, p. 34). Uttar Pradesh: Neel Kumar, Director, Department of Information and Public Relations.
2. Haider, Q. (1995). *Aakhri Shab ke Hamsafar* (p. 33). Lahore: Sang-e-Meel Publications.
3. Ibid., pp. 77–78.
4. Ibid., p. 126.
5. Almas, R. (2018). *Urdu novel mein tabaqati shu'oor* (p. 162). Karachi: Anjuman Taraqqi Urdu Pakistan.
6. Haider, Q. (1995). *Aakhri Shab ke Hamsafar* (p. 140). Lahore: Sang-e-Meel Publications.
7. Ibid., p. 145.
8. Ibid., p. 181.
9. Ibid., p. 184.
10. Ibid., pp. 185–186.

11. Ibid., p. 191.
12. Ibid., p. 197.
13. Ibid., p. 215.
14. Ibid., p. 237.
15. Ibid., p. 239.
16. Ibid., p. 240.
17. Ibid., p. 242.
18. Ibid., p. 280.
19. Ibid., p. 327.
20. Ibid., p. 334.
21. Ibid., p. 353.
22. Ashraf, K. (1995). *Barsagheer mein Urdu novel* (p. 176). Aligarh: Educational Book House.